امام نسائی
شخصیت اور خدمات

تاج الدین ازھری

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ہاں ان کے قانون کا دوسرا اہم مصدر ہے۔ اس لئے انہوں نے قرآن مجید کی طرح اس کی بھی بڑی خدمت کی۔ قرآن مجید اور اس کے علوم میں تحقیق کرنے والے مفسرین کہلائے اور حدیث رسول اور اس کے علوم میں تحقیق کرنے والوں کو محدثین کا نام دیا گیا۔ یوں تاریخ میں حدیث رسول کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کرنے والے اس قدر ہیں کہ ان کا شمار ایک مشکل کام ہے مگر ان میں کچھ وہ ہیں جنہیں امت مسلمہ میں ان کے علمی اور تحقیقی کمال کی وجہ سے وہ قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ آج پوری امت مسلمہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ محدثین کی اس جماعت میں اصحاب ستہ کو درجہ کمال تک پذیرائی حاصل ہوئی اور ان کی پیش کردہ روایات دین متین میں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان جلیل القدر محدثین میں سے ایک امام نسائی ہیں۔ ان صفحات میں ان کے مختصر حالات زندگی کے بعد ان کی کتاب کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

نام و نسب : آپ کا نام احمد اور کنیت ابو عبدالرحمن ہے۔ پورا نسب نامہ یوں ہے: احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۱) ۔ بعض مورخین نے انہیں ان کے دادا سے منسوب کیا ہے اور نسب نامہ یوں لکھا ہے: احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار۔ (۲)

پیدائش : اسلامی تاریخ میں خراسان اور ماوراء النہر (وسطی ایشیا) کے علاقوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کا سبب ان علاقوں کے وہ مایہ ناز فقہاء ، محدثین اور اہل علم ہیں جنہوں نے اسلامی علوم کی وہ گرانقدر خدمت کی ہے جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ امام نسائی کا تعلق بھی اسی علاقہ سے تھا۔ آپ خراسان کے ایک شہر "نساء" میں پیدا ہوئے۔ جو مرو کے قریب واقع

ہے۔ (۳) اور اسی شہر کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ نسائی کہلائے۔ حافظ اصفہان اسماعیل بن محمد بن الفضل کا کہنا ہے کہ آپ کو نسوی بھی کہا جاتا ہے مگر نسائی زیادہ صحیح ہے۔ (۴)

امام صاحب کی جائے پیدائش کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے خراسان کو فتح کر لیا تو اس شہر کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ جب یہ خبر شہر کے رہنے والوں کو ملی تو وہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمان یہاں پہنچے تو انہوں نے عورتوں کے علاوہ کسی کو بھی شہر میں نہ پایا۔ عورتوں سے اسلام میں لڑائی نہیں کی جاتی اس لئے اس شہر کے معاملے کو آدمیوں کے واپس آنے تک چھوڑ دیا گیا۔ اس لئے اس شہر کا نام نساء پڑ گیا۔ اس کے اور خراسان کے درمیان دو دن کی مسافت ہے' اس کے اور مرو کے درمیان پانچ دن کی اور اس کے اور نیشاپور کے درمیان چھ یا سات دن کی (۵) ۔ امام صاحب کے سال پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اپنا سال پیدائش خود ہی بتا دیا ہے۔ ان کا قول ہے : "یشبہ ان یکون مولدی سنة ۲۱۵ھ" (۶) ۔ اندازہ ہے کہ میری پیدائش سنہ ۲۱۵ ہجری میں ہوئی ہے۔

تحصیل علم :

امام صاحب جس علاقہ میں پیدا ہوئے تھے اس زمانے میں وہی علم وفن کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ اس لئے امام صاحب نے یہیں سے تحصیل علم کی ابتدا کی اور وہاں کے اساتذہ فن سے استفادہ کیا مگر اس زمانے میں تحصیل علم کی تکمیل اس وقت تک نہ ہو پاتی تھی جب تک محدث دوسرے شہروں کا سفر کر کے وہاں کے مشائخ سے استفادہ نہ کر لے۔ اس ضابطے کو حافظ ابن حجر یوں بیان کرتے ہیں : " وصفة الرحلة بحیث یبتدی بحدیث اهل بلده فیستوعبه ثم یرحل فیحصل فی الرحلة مالیس عنده " (۷) ۔ اپنے شہر کی حدیثوں سے ابتدا کرے اور جب وہ پورے طور پر حاصل کر چکے تو پھر دوسرے شہروں کا سفر کرے اور اس سفر میں ان روایات کو حاصل کرے جو اس کے پاس نہ ہوں۔

اسی ضابطہ کے تحت اپنے ہاں کے علماء و مشائخ سے علم حاصل کرنے کے بعد امام صاحب نے عراق کا سفر کیا اور سنہ ۲۳۰ ھجری میں مزید علم کی خاطر قتیبہ بن سعید (م ۲۴۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۸) حافظ ذہبی لکھتے ہیں : " رحل الی قتیبه وله خمس عشرة فقال اقمت

عنده سنة وشهرين " (۹)۔

امام نسائی جب امام قتیبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی عمر پندرہ سال تھی اور ان کے پاس ان کا قیام ایک سال اور دوماہ رہا۔ یہاں سے فراغت کے بعد دوسرے علماء و مشائخ سے مزید استفادہ کے لئے دنیائے اسلام کے مختلف شہروں کا قصد کیا جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر یوں رقمطراز ہیں : " رحل الی الآفاق واشتغل بسماع الحدیث والاجتماع بالائمه الحذاق "۔ (۱۰)

(انہوں نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور وہاں فن حدیث کے ماہر علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیث کو حاصل کیا۔)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں : "انہوں نے بہت سے شہروں کے شیوخ و اساتذہ سے استفادہ کیا جیسے خراسان ، عراق حجاز ، جزیرہ عرب ، شام اور مصر وغیرہ" ۔ (۱۱)

دنیائے اسلام کے مختلف شہروں سے تحصیل علم کے بعد امام نسائی نے مصر کو اپنے درس و تدریس کا مرکز بنایا۔ اس بارے میں حافظ ذہبی نے ابن یونس کا قول نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں : " قدم مصر قدیما و کتب بها وکتب عنه "۔ (۱۲) (وہ قدیم مصر (۱۳) میں تشریف لائے جہاں سے انہوں نے بھی استفادہ کیا اور ان سے بھی استفادہ کیا گیا۔)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں : "امام نسائی نے مصر میں مستقل سکونت اختیار کی ان کی تصانیف اسی اطراف میں پھیلیں اور بہت سے لوگوں نے امام صاحب سے حدیث حاصل کر کے اسے آگے روایت کیا۔ (۱۴) زندگی کے آخری ایام میں مصر کو خیرباد کہہ دیا اور ذیقعدہ سنہ ۳۰۲ ہجری میں دمشق آگئے۔ (۱۵)

اساتذہ :

ان کے اساتذہ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں : " سمع من خلائق لا یحصون فی رحلاته الکثیرہ من مشائخ اجلاء و محدثین ثقات فضلاء "۔ (۱۶) انہوں نے اپنے مختلف اسفار میں بے شمار اساتذہ سے حدیث کو سنا جو انتہائی ثقہ تھے اور ان کا شمار

جلیل القدر محدثین میں ہوتا ہے۔ ان اساتذہ کرام میں قتیبہ بن سعید' اسحاق بن راھویہ' ہشام بن عمار' عیسی بن حماد' حسین بن منصور سلمی نیشاپوری' عمرو بن زرارہ' محمد بن نصر مروزی' سوید بن نصر' ابو کریب محمد بن رافع' علی بن حجر' یونس بن عبدالاعلی اور ابو داود بجستانی زیادہ مشہور ہیں۔ امام بخاری کو بھی حافظ ابن حجر نے امام نسائی کے اساتذہ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح ابو زرعہ رازی اور ابو حاتم رازی سے بھی امام نسائی کا روایت کرنا ثابت ہے۔ (۱۷) علم قرأت کو انہوں نے ابو شعیب سوسی اور احمد بن نصر نیشاپوری سے حاصل کیا۔ (۱۸)

تلامذہ :

فن حدیث میں امام نسائی کی علمی شہرت نے انہیں طالبان حدیث کا مرکز بنا دیا تھا اور وہ دنیائے اسلام کے کونے کونے سے ان کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے مشہور تلامذہ میں ان کے صاحبزادے عبدالکریم کے علاوہ ابوبکر بن السنی' ابو علی کنانی' ابوالحسن محمد بن عبداللہ بن حیوہ' محمد بن معاویہ بن الاحمر' محمد بن قاسم اندلسی' احمد بن محمد بن مہندس اور علی بن جعفر طحاوی کا شمار ہوتا ہے۔ ان حضرات نے ان کی کتاب "السنن" کی روایت بھی ہے۔ (۱۹) ان کے علاوہ ابو بشر دولابی اور ابو جعفر طحاوی بھی امام نسائی کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر نے ان کے تلامذہ کی طویل فہرست نقل کرنے کے بعد لکھا ہے : " واسم لایحصون " (۲۰) ۔ امام صاحب کے تلامذہ کا شمار ناممکن ہے۔

معاصر علماء کا خراج تحسین :

امام نسائی اپنے وقت میں فن حدیث کے امام اور جلیل القدر محدث تھے۔ علل حدیث اور علم اسناد میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک ناقد حدیث بھی تھے۔ علل اور اسناد میں ان کی آراء پر مکمل اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے معاصر علماء نے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے "کان امام عصرہ فی الحدیث " (۲۱) ۔ (امام نسائی اپنے زمانے میں حدیث کے امام تھے۔)

ابو سعید عبدالرحمن نے اپنی کتاب "تاریخ مصر" میں لکھا : "کان اماما ثقة ثبتا حافظا " (۲۲) ۔ امام

نسائی حدیث میں امام، ثقہ، معتبر اور حافظ تھے۔ امام دار قطنی کا قول ہے "ابو عبدالرحمن النسائی مقدم علی کل من یذکر بھذا العلم من اھل عصرہ" (۲۳)۔

ابو عبدالرحمن نسائی اپنے زمانے کے تمام محدثین پر فائق تھے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ میں نے امام دار قطنی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "امام نسائی فن حدیث میں صحیح اور سقیم کے امتیاز، جرح و تعدیل اور نقد حدیث میں اپنے مشائخ عصر پر فوقیت رکھتے ہیں" (۲۴)۔

ابوبکر حداد نے باوجود کثیر الحدیث ہونے کے صرف امام نسائی سے روایت کی اور فرمایا "میں نے ان کو اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان حجت بنایا ہے۔ (۲۵) حافظ ابو علی نیشاپوری کا قول ہے" ھو الامام فی الحدیث بلا مدافعة " (۲۶) وہ کسی تقابل کے بغیر فن حدیث میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔

ان اقوال کے علاوہ حافظ ابن حجر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے بہت سے اہل علم کے اور بھی بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے امام نسائی کی علمی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔

ناقدین فن کی ایک جماعت نے جلالت علمی کے اعتبار سے امام نسائی کا درجہ امام مسلم سے بڑھا کر بیان کیا ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں: "میں نے اپنے شیخ حافظ ابو عبداللہ ذہبی سے سوال کیا کہ امام مسلم بن حجاج حدیث کے زیادہ حافظ ہیں یا امام نسائی۔ انہوں نے کہا "امام نسائی" پھر اس کا ذکر میں نے اپنے والد تقی الدین سبکی سے کیا تو انہوں نے اس کی موافقت کی۔ (۲۷)

حافظ ذہبی "سیر اعلام النبلاء" میں لکھتے ہیں: ھو احذق بالحدیث و عللہ ورجالہ من مسلم والترمذی و ابو داؤد ھو جار فی مضمار البخاری و ابی زرعة " (۲۸)۔ امام نسائی امام مسلم، امام ترمذی، اور امام ابو داود سے حدیث، علل حدیث اور علم رجال میں زیادہ ماہر ہیں۔ وہ بخاری اور ابو زرعہ کے ہمسر ہیں۔

حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں: " قدمہ قوم من الحذاق فی معرفة ذالک علی مسلم بن حجاج وقدمہ الدار قطنی وغیرہ فی ذالک علی امام الائمہ ابی بکر بن خزیمة

صاحب الصحیح " (۲۹) ۔ فن رجال میں ماہرین کی ایک جماعت نے امام نسائی کو امام مسلم بن حجاج پر فوقیت دی ہے، امام دارقطنی اور دیگر علماء نے انہیں امام الائمہ ابو بکر بن خزیمہ صاحب صحیح پر مقدم رکھا ہے۔

اگرچہ یہ اقوال جمہور علماء کے نزدیک قابل قبول نہیں مگر ان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ امام نسائی کا مرتبہ فن حدیث اور اس سے متعلقہ علوم میں بہت بلند ہے۔

امام صاحب کا مسلک :

دیگر محدثین کی طرح امام نسائی کے مسلک کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آئمہ مجتہدین میں سے کس کے مسلک کو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ امام نسائی شافعی مسلک پر تھے (۳۰) ۔

نواب صدیق حسن خاں نے بھی شاہ صاحب کی تائید کرتے ہوئے امام نسائی کو شوافع میں شمار کیا ہے (۳۱) ۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے نزدیک بھی ان کا انتساب شافعی مسلک کی جانب مناسب ہے (۳۲) ۔ لیکن مولانا انور شاہ کشمیری کا کہنا ہے کہ امام نسائی اور امام ابو داؤد حنبلی مسلک رکھتے تھے جیسا کہ ابن تیمیہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ دوسرے علماء ان کو شافعی ہی شمار کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ وہ حنبلی تھے (۳۳) ۔

حقیقت یہ ہے کہ محدثین کبھی بھی ایک مسلک پر جامد نہیں رہے جب بھی انہیں صحیح حدیث مل جاتی تھی تو وہ اس کے مطابق رائے دے دیتے تھے اور اسی وجہ سے انہیں کسی ایک مسلک کی طرف منسوب کرنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے۔

دور ابتلاء اور وفات :

امام نسائی کی علمی شہرت کی وجہ سے مصر میں ان کے بہت سے حاسدین پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے وہ ذیقعدہ سنہ ۳۰۲ ہجری میں مصر چھوڑ کر دمشق تشریف لے آئے تھے۔ یہاں بنی امیہ کی طویل حکومت کے باعث خارجیت اور ناصبیت کا زور تھا۔ بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ

عنہ سے بدگمان تھے۔ امام نسائی نے انہیں راہ راست پر لانے کے لئے اپنی کتاب "خصائص علی" جامع دمشق کے منبر پر چڑھ کر سنانا شروع کر دی۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پر بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ امیر معاویہ کے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں ان کی خلاصی ہو جائے۔ ایک دوسری روایت میں آپ کا جواب یوں ہے "مجھے ان کے مناقب میں اس حدیث "لا اشبع اللہ بطنہ " کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اس پر لوگ مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے امام صاحب پر تشیع کا الزام لگا کر انہیں مارنا شروع کر دیا۔ امام صاحب کے نازک مقام پر سخت چوٹیں آئیں جن کے سبب نیم جاں ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے مکہ مکرمہ لے چلو تاکہ میرا انتقال وہیں ہو۔ چنانچہ اسی حالت میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ (۳۴) آپ کی تاریخ وفات اور مقام دفن میں اختلاف ہے۔ ابن خلکان نے امام صاحب کی وفات کے بارے میں امام دار قطنی سے دو روایتیں نقل کی ہیں دونوں میں امام صاحب کی وفات کا سال تو ایک ہی بتایا گیا ہے مگر تاریخ وفات اور مقام دفن الگ الگ ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال شعبان ۳۰۳ ہجری میں ہوا اور آپ کو صفا مروہ کے درمیان مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا اور دوسری روایت کے مطابق آپ نے ۱۳ صفر ۳۰۳ ہجری کو وفات پائی اور فلسطین میں رملہ کے مقام پر دفن کئے گئے (۳۵)۔

تشیع کی طرف امام صاحب کا غلط انتساب:

امیر معاویہ کے فضائل کے بارے میں سوال کے جواب اور ان کی کتاب "خصائص علی" کی تالیف کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے جسے ابن خلکان یوں نقل کرتے ہیں "کان یتشیع " (۳۶) ان میں تشیع تھا۔ ابن کثیر بصیغہ تمریض یوں کہہ جاتے ہیں " قیل انہ ینسب الیہ شی من التشیع " (۳۷) (کہا جاتا ہے کہ ان میں تشیع کا کچھ اثر تھا)۔

متاخرین تک سب کے سب اس کو نقل کرتے چلے آتے ہیں۔ حافظ ذہبی اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے فضائل صحابہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس سے ان پر تشیع کے الزام کی حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے (۳۸)۔ اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ایسا تشیع نہیں ہے جو قابل مذمت ہو بلکہ یہ محمود ہے اور بہت سارے محدثین میں پایا جاتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عقیدت اور

محبت ہے اور اس میں دیگر صحابہ کرام کی تنقیص ہرگز نہیں پائی جاتی۔

حافظ ذہبی کا کہنا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت صغری اور بدعت کبری ۔ غلو کے بغیر تشیع بدعت صغری ہے اور یہ تابعین کرام اور تبع تابعین میں سے بہت سے بزرگوں میں ان کے ورع اور صدق کے باجود پائی جاتی ہے اگر اس وجہ سے ان کی روایت کردہ احادیث کو رد کر دیا جائے تو حدیث کے عظیم ذخیرے میں سے کچھ بھی ہمارے پاس نہیں رہے گا اور یہ بہت بڑی غلطی ہو گی (۳۹) ۔ اب رہی بدعت کبری جیسے غالی قسم کا تشیع جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں تنقیص ہوتی ہے تو اس کا اس امام جلیل کے ہاں تصور بھی محال ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو امام صاحب کبھی بھی امیر معاویہ کی روایات کو اپنی کتاب میں جگہ نہ دیتے ۔ انہوں نے امیر معاویہ کی نو احادیث کو اپنی کتاب میں روایت کیا ہے جبکہ پورے صحاح ستہ میں امیر معاویہ کی روایات کی تعداد انتالیس ہے (۴۰) ۔

تصنیفات :

ابوبکر محمد بن عمر اشبیلی نے امام نسائی کی درج ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے (۴۱)

۱۔ کتاب الاسماء والکنی۔

۲۔ مسند حدیث الزھری بروایۃ محمد بن قاسم۔

۳۔ مسند حدیث مالک بروایۃ حمزہ بن محمد الکنانی والحسن بن الخضر۔

۴۔ مسند حدیث یحیی بن سعید القطان بروایۃ حمزہ بن محمد الکنانی۔

۵۔ مسند حدیث فضیل بن عیاض و داود الطائی و مفضل بن مھلھل بروایۃ حمزہ بن محمد الکنانی و ابوالحسن بن حیوہ۔

۶۔ مسند حدیث شعبۃ بن الحجاج بن الورد۔

۷۔ مسند حدیث سفیان الثوری بروایۃ سعید بن جابر

۸۔ مسند حدیث ابن جریج بروایۃ سعید بن جابر۔

۹۔ المجتبی فی السنن المسندہ۔ یہ ان کی مشہور زمانہ اور متداول کتاب ہے۔ اسی کا دوسرا نام سنن نسائی ہے جو ہر جگہ دستیاب ہے۔

۱۰۔ السنن الکبری۔

۱۱۔ کتاب تفسیر القرآن بروایۃ حمزہ بن محمد الکنانی۔

۱۲۔ کتاب الضعفاء والمتروکین - یہ قاھرہ سے طبع ہو چکی ہے۔ فواد سیزگین نے امام نسائی کی چیز اور کتابوں کا ذکر کیا ہے (۴۲)۔

۱۳۔ کتاب الخصائص فی فضل علی بن ابی طالب - یہ بھی قاھرہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۴۔ فضائل الصحابہ۔ یہ بھی بیروت سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۵۔ تسمیہ فقہاء الامصار من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و من بعد ھم من اھل المدینۃ - یہ بھی مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ سے طبع ہو چکی ہے۔

۱۶۔ تسمیہ من لم یرو عنہ الا رجل واحد۔

۱۷۔ کتاب عمل الیوم و اللیلۃ۔ یہ دار بیضاو مغرب سے ڈاکٹر فاروق حمادہ کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

۱۸۔ ذکر من حدث عنہ ابن ابی عروبۃ (م ۱۵۶ھ) ولم یسمع عنہ۔

۱۹۔ کتاب الجمعۃ۔

۲۰۔ کتاب التمییز -

۲۱۔ بروکلمان نے ایک اور کتاب کا اضافہ کیا ہے جس کا نام ہے کتاب الجرح والتعدیل (۴۳)

۲۲۔ عمر رضا کحالہ نے مزید ایک کتاب بتائی ہے جس کا نام ہے کتاب المناسک (۴۴)۔

۲۳۔ فضائل القرآن - یہ بھی امام نسائی کی ایک کتاب ہے۔ جس کا کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔ ڈاکٹر فاروق حمادہ نے اس کا مخطوطہ دریافت کر کے اپنی تحقیق کے ساتھ داربیضاء مغرب سے اسے شائع کیا ہے۔

سبب تالیف:

امام نسائی نے سنن کے نام سے حدیث کی دو کتابیں تالیف کیں ایک سنن کبری اور دوسری سنن صغری اسی کا دوسرا نام المجتنی یا المجتبی ہے۔ دونوں قریب المعنی ہیں لیکن المجتبی زیادہ مشہور ہے۔ ابو علی غسانی کا کہنا ہے کہ کتاب "المجتبی فی السنن المسندہ "ابو عبدالرحمن النسائی کی تالیف ہے جو انہی کی بڑی کتاب سنن کبری کا اختصار ہے اور یہ اختصار انہوں نے بعض افراد کے

کہنے پر کیا تھا۔ جنہوں نے ان سے سوال کیا تھا کہ آپ کی کتاب سنن کبری کی سب احادیث صحیح ہیں ؟ تو آپ نے جواب دیا "نہیں" اس پر انہوں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے ان میں سے صرف صحیح کو الگ کر کے تحریر کر دیں ۔ امام صاحب نے ان کی اس درخواست کو عملی جامہ پہناتے ہوئے "المجتبی" تحریر کی اور سنن کبری کی ہر اس حدیث کو چھوڑ دیا جس کی سند میں کلام یا متن میں کوئی علت تھی (۴۵) ۔

ابن اثیر نے بھی اپنی کتاب جامع الاصول میں اسی روایت کو نقل کیا ہے۔ (۴۶) ۔ ملا علی قاری نے بھی اس کو مرقاۃ میں سید جمال الدین کے حوالے سے نقل کیا ہے (۴۷) ۔ اس قصے کا درجہ سند کی صحت کے اعتبار سے جیسا بھی ہو مگر ایک چیز پر ابن خیر اور ابن اثیر کا اتفاق ہے اور وہ یہ کہ "المجتبی" امام نسائی کا اپنا اختصار ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ذہبی ابن اثیر کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں : ھذا لم یصح بل المجتبی من اختیار ابن السنی " (۴۸) ۔ یہ صحیح نہیں بلکہ المجتبی ابن السنی کا اختصار ہے۔ پھر ابن السنی کے ترجمے میں لکھتے ہیں:"کان دینا صدوقا خیرا اختصر السنن وسماہ المجتبی عاش بضع و ثمانین وقع لنا عن طریقہ ما اجتباہ من السنن " (۴۹) ۔ امام ابن السنی بڑے دیندار، سچے اور بہتر انسان تھے۔ انہوں نے سنن کا اختصار کیا اور اس کا نام المجتبی رکھا۔ اناوے سال کی عمر پائی اور انہی کے ذریعے ان کا سنن کا کیا ہوا اختصار ہم تک پہنچا۔

تاج الدین سبکی بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور ابن السنی کے ترجمے میں لکھتے ہیں
" صنف فی القناعۃ وفی عمل الیوم واللیلۃ واختصر السنن النسائی " (۵۰) ۔

ابن السنی نے قناعت اور دن رات کے اعمال میں کتاب لکھی اور سنن نسائی کا اختصار کیا۔ لیکن جو چیز دقیق مطالعے سے معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ سنن نسائی جو المجتبی کے نام سے مشہور ہے۔ امام نسائی کا اپنا اختصار ہے اور اس کی وجہ یہ ہے۔

۱۔ امام نسائی نے سنن کبری سے اختصار کرتے وقت سنن صغری میں بہت سی احادیث کا اضافہ کیا ہے اگر یہ اختصار کسی اور کا ہوتا تو یہ صرف اختصار ہی ہوتا۔ وہ اس میں اضافہ نہ کرتا۔ اضافہ کرنا صرف مصنف ہی کا کام ہے جس کی مثال یہ ہے کہ کتاب الطہارہ سنن کبری اور سنن صغری

کی ۴۲۱ احادیث پر مشتمل ہے مگر سنن صغری میں بہت سے ابواب اور احادیث ایسی ہیں جو سنن کبری میں نہیں پھر ان احادیث میں سے ۲۸۶ احادیث سنن کبری اور سنن صغری میں مشترک ہیں۔ ۲۳ احادیث سنن کبری میں ہیں سنن صغری میں نہیں اور ۱۱۲ احادیث سنن صغری میں ہیں سنن کبری میں نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ سنن کبری کی کتاب الطہارہ کی کل ۳۰۹ احادیث تھیں جن میں سے مصنف نے ۲۸۶ احادیث سنن صغری میں لے لیں اور ۲۳ احادیث چھوڑ دیں اور ان پر ۱۱۲ احادیث کا مزید اضافہ بھی کر دیا۔ اس لئے یہ سنن کبری کا اختصار نہیں بلکہ ایک مستقل تصنیف ہے جس میں اختصار شامل ہے۔ اسی طرح سنن کبری کے ابواب کی تعداد ۱۸۴ ہے مگر سنن صغری میں ۲۷۵ ابواب ہیں یعنی ۹۱ ابواب کا اضافہ۔ اب تو سنن کبری کا مخطوطہ بھی دستیاب ہو چکا ہے۔ اس لئے شیخ عبدالصمد شرف الدین نے سنن کبری اور سنن صغری کے تقابلی مطالعہ سے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ امام نسائی نے سنن کبری کی ۲۹ کتابوں میں سے سنن صغری میں کچھ بھی نہیں لیا جیسے کتاب التفسیر کتاب عمل الیوم واللیلۃ' کتاب الرقاق اور کتاب الطب وغیرہ (۵۱)

۲۔ ہو سکتا ہے امام نسائی نے یہ اختصار اپنے شاگرد ابن السنی کو املاء کروایا ہو اور اسلاف کا یہ طریقہ معروف بھی ہے کہ وہ شاگردوں کو اپنی کتابیں املاء کروایا کرتے تھے کیونکہ بہت سی کتابیں ایسے ہی ہم تک پہنچی ہیں تو ایسی صورت میں یہ عمل استاد ہی کا شمار ہو گا نہ کہ شاگرد کا اور اس کا شاگرد کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہو گا۔

۳۔ بہت سے آئمہ کرام جیسے ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) محمد بن خیر اشبیلی (م ۵۷۵) حافظ ابن اثیر (م ۶۰۶ھ) حافظ مزی (م ۷۴۲ھ) اور حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) وغیرہ۔ سنن صغری کو امام نسائی ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ عادت یہ ہے کہ کسی کتاب کو جو تلخیص کرے ملخص کو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے نہ کہ اس کے اصل مصنف کی طرف' اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے زمانے تک سنن صغری کے امام ابن سنی کی طرف انتساب کی روایت کسی کے علم میں نہ آئی تھی اور یہ حضرات حافظ ذہبی سے پہلے کے ہیں۔ ان کے کلام میں اس کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اب ہمیں انہی پر اعتماد کرتے ہوئے سنن صغری (المجتبیٰ) کو امام نسائی ہی کا عمل سمجھنا چاہئے۔

۴۔ اس پر مستزاد امام نسائی کا اپنا قول ہے جسے ان کے شاگرد ابن الاحمر اندلسی نے نقل کیا ہے

کہ امام صاحب نے کہا "کتاب السنن کلہ صحیح و بعضہ معلول الا انہ یبینہ والمنتخب المسمی بالمجتبی صحیح (۵۲) سنن کبری میں احادیث صحیح بھی ہیں اور معلول بھی لیکن ان کی علت بیان کر دی گئی ہے مگر المجتبی سب کی صحیح ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ المجتبی امام نسائی کی وفات سے پہلے وجود میں آ چکی تھی اور یہ ان کا اپنا عمل ہے جسے انہوں نے اپنے شاگرد ابن السنی کو املاء کروایا جس سے بعض لوگوں کو التباس ہو گیا ہے کہ ان کا اختصار ہے۔

امام نسائی کی شروط:

حافظ مقدسی نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے جب کتاب السنن جمع کرنے کا ارادہ کیا تو ان شیوخ کے بارے میں جن کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہ تھا استخارہ کیا جس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ ان سے روایت نہ کروں اس لئے میں نے بہت سی روایات عالی سند کی بجائے نازل سند سے روایت کی ہیں" (۵۳)۔

اس کے بعد حافظ مقدسی نے لکھا ہے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے ثقہ قرار دیا جس پر میں نے عرض کیا کہ ابو عبدالرحمن نسائی نے تو اسے ضعیف کہا ہے اس پر انہوں نے جواب دیا "یا بنی ان لابی عبدالرحمن فی الرجال شرطا اشد من شرط البخاری و مسلم" (۵۴)۔ بیٹا رجال کے بارے میں امام نسائی کی شروط امام بخاری اور امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اس لئے امام نسائی بہت سے ایسے رجال سے روایت نہیں کرتے جن سے امام ابو داود اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے بلکہ امام نسائی نے تو صحیحین کے بہت سے رجال سے بھی روایت نہیں کی۔ انہی سب چیزوں کو دیکھ کر علامہ جلال الدین سیوطی کو یہ فیصلہ دینا پڑا: "وفی الجملۃ فکتاب السنن بعد الصحیحین اقل حدیثا ضعیفا و رجلا مجروحا" (۵۵)۔ خلاصہ قول یہ کہ سنن نسائی صحیحین کے بعد وہ پہلی کتاب ہے جس میں سب سے کم ضعیف احادیث ہیں اور مجروح راویوں سے روایت کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔ علامہ حازمی نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام زھری کے تلامذہ کا تیسرا طبقہ جو امام ابو داود کی شرط ہے وہی امام نسائی کی بھی شرط ہے۔ (۵۶)

سنن نسائی کے تراجم و ابواب:

کسی محدث کے تفقہ کا اندازہ اس کی کتاب کے تراجم و ابواب سے لگایا جاتا ہے جیساکہ مشہور مقولہ ہے " فقه البخاری فی تراجم ابوابه "۔ بخاری شریف کا سمجھنا اس کے تراجم ابواب کے سمجھنے پر منحصر ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیری نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔

۱۔ وہ مسائل فقہ جن کو مصنف نے اختیار کیا ہے وہ تراجم ابواب سے ظاہر ہو جائیں ۔
۲۔ اس سے صاحب کتاب کے تفقہ، ذہانت اور دقت نظر بھی معلوم ہو جائے ۔ (۵۷)

اس لحاظ سے بخاری شریف کے تراجم نہایت اہم ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے بڑی دقت نظر اور تفقہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد امام نسائی کے تراجم ابواب ہیں۔ بہت سی جگہوں پر دونوں کتابوں کے تراجم بالکل ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ ہو سکتا ہے امام نسائی نے انھیں اپنے استاد امام بخاری سے لیا ہو کیونکہ امام نسائی امام بخاری کی طرح کبھی کبھی روایت مختصر نقل کرتے ہیں اور حدیث کے ایسے جزء سے ترجمے پر استدلال کرتے ہیں جو اس باب کے علاوہ دوسری جگہ ہو جس کی بہت سی مثالیں ان کی کتاب میں موجود ہیں اس لئے ابن یونس کو کہنا پڑا: " كان اماما ثقة ثبتا حافظا فقيها (۵۸) "۔ امام نسائی ثقہ ثبت، حافظ اور فقیہ تھے۔

سنن نسائی علماء کی نظر میں:

حافظ ابوالحسن معافری جو امام دارقطنی اور امام حاکم کے معاصر ہیں، فرماتے ہیں: اذا نظرت الى مايخرجه اهل الحديث مماخرجه النسائی اقرب الى الصحة مما خرجه غيره " (۵۹) ۔ اگر تم تمام محدثین کی جمع کردہ احادیث پر نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس حدیث کو امام نسائی نے روایت کیا ہے وہ دوسرے لوگوں کی روایت کردہ حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

علامہ سخاوی لکھتے ہیں: " صرح بعض المغاربه بتفضيل كتاب النسائی على صحيح البخاری " (۶۰) ۔ بعض مغاربہ نے امام نسائی کی کتاب کو (جودت اسانید و ترتیب کے اعتبار سے) صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔

ابن الاحمر نے اپنے کئی شیوخ سے نقل کیا ہے: "انه اشرف المصنفات کلها وما وضع فی الاسلام مثله" (۶۱) ۔ یہ اپنے فن کی تمام کتابوں سے افضل ہے اور اسلام میں اس کے مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

سنن نسائی کی یہ فضیلت صحیحین کے علاوہ دیگر کتابوں پر ہے کیونکہ صحیحین کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔

سنن نسائی کی شروح و حواشی:

سنن نسائی صحاح ستہ کی ایک مقبول عام کتاب ہے مگر افسوس یہ ہے کہ آج تک اس کی کوئی جامع شرح منظر عام پر نہیں آئی، جس طرح کہ صحاح ستہ کی دیگر کتابوں کی شروح لکھی گئی ہیں۔ اس کے لوگوں کے اندر متداول ہونے کے چھ سو سال بعد علامہ جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) نے اس کی مختصر سی شرح لکھی جس کا نام "زهر الربی علی المجتبی" ہے۔ انہوں نے اس میں سنن نسائی کے رواۃ کے اسماء کو منضبط کیا۔ اس کے غریب الفاظ اور احکام کی تشریح کی اور احادیث کی روشنی میں بعض نکات لکھے۔

اس کے بعد علامہ سراج الدین ابن الملقن (م ۸۰۴ھ) اس کی مختصر شرح لکھی جس میں انہوں نے سنن نسائی کی ان احادیث کی شرح کی جو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداود میں نہیں تھیں۔

اس کے بعد ابوالحسن السندی نزیلِ مدینہ منورہ (م ۱۱۳۸ھ) نے مختصر شرح لکھی جو "حاشیۃ السندی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح سے زیادہ مفصل ہے۔ آج کل یہ دونوں شرحیں سنن نسائی کے ساتھ بطور حاشیہ طبع ہو چکی ہیں اور بہت زیادہ متداول اور مشہور ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں ولی اللہی مسند حدیث کے تلامذہ میں سے سید نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) نے ساٹھ سال تک درس حدیث دے کر شیخ الکل کا لقب پایا۔ ان کے تلامذہ میں سے ابو عبدالرحمن محمد پنجابی (م ۱۳۱۵ھ) نے سنن نسائی کی شرح کا آغاز کیا مگر مکمل نہ کر پائے۔ ان کی وفات کے بعد انہی کے شاگرد ابو یحیی محمد بن کفایت اللہ شاہ جہانپوری (م ۱۳۳۸ھ) نے اسے مکمل کیا۔ ابو عبدالرحمن نے سنن نسائی کے تقریباً دو تہائی حصے کی شرح لکھی تھی باقی

ایک حصہ کی تکمیل کر کے ابو یحیی شاہ جہانپوری نے اسے شائع کیا اور اس کا نام " تکملۃ الحواشی الجدیدہ " رکھا۔ مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی (م ۱۹۵۸ء) نے مفتی کفایت اللہ دہلوی کے کہنے پر سنن نسائی کی مختصر شرح لکھی اور سابقہ شروح سے استفادہ کیا۔ یہ شرح مطبعہ رحیمیہ دہلی سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی۔

سب سے آخر میں مولانا عطاء اللہ حنیف (م ۱۴۰۸ھ) نے سنن نسائی کی شرح لکھی جس کا نام "تعلیقات السلفیہ" رکھا۔ یہ بھی سابقہ شروح کی طرح مختصر ہے مگر اس میں سنن کی تحقیق کے لئے بہت سے مطبوع اور مخطوط نسخوں کی طرف رجوع کیا گیا اور اس سے پہلے لکھے جانے والی تمام شروح سے مکمل استفادہ کیا گیا۔ پھر حسن اتفاق سے مولانا کو الشیخ حسین بن محسن انصاری یمنی کی مخطوط شرح نسائی کا نسخہ بھی دستیاب ہو گیا تھا جس کا نام "تعلیقات لطیفہ علی المجتبی" ہے۔ مولانا نے اس سے بھرپور استفادہ کیا اور اس طرح سنن نسائی کی ایک مختصر مگر جامع شرح منظر عام پر آ گئی جو اس وقت متداول ہے۔ اور اسے مکتبہ سلفیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ دیگر کتابوں کی طرح سنن نسائی کی ترقیم نہیں ہوئی تھی۔ یہ کام بھی ڈاکٹر عبدالفتاح ابوغدہ نے کر دیا ہے اور ان کی ترقیم سے سنن نسائی شائع ہو گئی ہے جو متداول ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان ابو عبداللہ ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲، ص ۶۹۸، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت ۔

۲۔ ابن حجر العسقلانی ۔ احمد بن علی بن محمد تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۶، طبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن، طبع اول ۱۳۲۷ھ ۔

۳۔ ملا علی قاری ۔ علی بن سلطان ۔ مرقاۃ شرح مشکاۃ ج ۱ ص ۲۲، طبع مکتبہ امدادیہ ملتان ۔

۴۔ ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب ج ۳ ص ۲۲۳، طبع دار التحریر ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸م۔

السمعانی ۔ عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی ۔ الانساب ص ۵۵۹، طبع المکتبہ المثنی بغداد ۱۹۷۲م ۔

۵۔ یاقوت بن عبداللہ الحموی ۔ معجم البلدان ج ۵ ص ۲۸۱، طبع دار صادر بیروت۔

۶۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۸ ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۸

۷۔ ابن حجر العسقلانی ۔ احمد بن علی بن محمد ۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۸۷، طبع المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ المنورہ ۔

۸۔ عبدالعزیز محدث دھلوی ۔ بستان المحدثین ص ۱۲۳۔ مترجم عبدالسمیع دیوبندی طبع ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۔

۹۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۸

۱۰۔ ابن کثیر۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱۱، ص ۱۶۳، طبع السعادۃ، القاہرہ۔

۱۱۔ بستان المحدثین ص ۱۲۳ ۔

۱۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۸ ۔

۱۳۔ قدیم مصر سے مراد پرانے زمانے کا مصر نہیں بلکہ قدیم قاہرہ مراد ہے۔ قاہرہ کا وہ حصہ جسے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فتح کیا قدیم مصر کہلاتا ہے۔ اسی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص، امام شافعی اور امام لیث بن سعد کا مزار ہے۔ اور یہ قاہرہ کے پھیلنے سے پہلے علم و فن کا مرکز تھا اور اسی میں باہر سے بڑے بڑے فقہاء اور محدثین وارد ہوتے تھے۔

۱۴۔ عبدالحق محدث دہلوی ۔ اشعۃ اللمعات ص ۱۷، طبع منشی نو لکشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ۔

۱۵۔ بستان المحدثین ص ۱۲۳ ۔

۱۶۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷ ۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ السبکی ۔ ابو نصر عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی المعروف بتاج الدین ۔ طبقات الشافعیہ الکبریٰ، ج ۳ ص ۱۴، مطبع عیسی الحلبی ۔ قاہرہ، طبع اول ۱۳۷۶ھ / ۱۹۶۷م

الجزری ۔ شمس الدین ابو الخیر محمد بن احمد ۔ غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء، ج ۱ ص ۶۱، طبع الخانجی ۔ مصر ۱۹۳۲م ۔

۱۹۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷ ۔

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ابن خلکان ۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۸۱ ۔ طبع عیسی الحلبی ۔ قاہرہ ۔

۲۲۔ ایضاً ج ۱ ص ۵۹۔

۲۳۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۷ ۔ ۳۸۔

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ طبقات الشافعیتہ الکبری ج ۲ ص ۸۲ ۔

۲۸۔ الصنعانی ۔ محمد بن اسماعیل الامیر الحسنی ۔ توضیح الافکار ج ۱ ص ۲۲۰ طبع دار احیاء التراث العربی ' قاہرہ طبع اول ۱۳۶۶ھ ۔

۲۹۔ ابن حجر العسقلانی ۔ احمد بن علی بن محمد ۔ ہدی الساری مقدمتہ فتح الباری ص ۹ مطبع الاہرام' قاہرہ۔

۳۰۔ بستان المحد ثین ص ۱۲۳۔

۳۱۔ صدیق حسن خاں القنوجی النواب ۔ ابجد العلوم ج ۳ ص ۱۵۲' طبع المکتبہ القدوسیہ' لاہور' طبع اول ۱۹۸۳ء۔

۳۲۔ ولی اللہ محدث دھلوی ۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف' ص ۸۰' مترجم خوشی محمد ' طبع علماء اکیڈمی لاہور۔

۳۳۔ انور شاہ کشمیری' مولانا ۔ فیض الباری شرح صحیح البخاری و علی ھامشہ بدالساری' ج۱' ص ۵۸ ۔ طبع حجازی ' قاہرہ' طبع اول ۱۹۳۸ء۔

۳۴۔ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب ج ۲ ص ۲۳۹ ۔ الحاکم النیسابوری ابو عبداللہ ۔ معرفتہ علوم الحدیث ص ۸۳' طبع مکتبہ المتنبی ' قاھرہ ۔ تحقیق ڈاکٹر معظم حسین۔

۳۵۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۱۱۴' ۱۶۵ ۔ الذہبی ۔ محمد بن احمد بن عثمان ابو عبداللہ ۔ العبر فی خبر من غبر' ج ۲ ص ۱۲۳ ۔ ۱۲۴ ' طبع دائرۃ المطبوعات والنشر کویت ' تحقیق ڈاکٹر صلاح الدین المنجد ۔

۳۶۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۵۹

۳۷۔ البدایتہ والنهایۃ ج ۱۱ ص ۱۲۳۔

۳۸۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۶۹۹۔

۳۹۔ الذہبی ۔ محمد بن احمد بن عثمان ابو عبداللہ ۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۱ ص ۵ ، مطبع عیسی الحلبی، تحقیق علی محمد البجاوی و محمد ابوالفضل ابراہیم۔

۴۰۔ عبدالغنی النابلسی ۔ ذخائر المواریث فی الدلالتہ علی مواضع الاحادیث ج ۲ ص ۱۰۶ ۔ ۱۱۰، طبع دارالمعرفتہ بیروت ۔

۴۱۔ محمد بن خیر بن خلیفہ الامور الاشبیلی، فہرستہ مارواہ عن شیوخہ من الدواوین المصنفہ فی ضروب العلم وانواع المعارف، ص ۵۸، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۲۶، ۱۴۵، ۱۴۷، ۲۱۴، ۲۲۱، طبع موسسہ الخانجی، قاہرہ۔

۴۲۔ فواد سیزگین، تاریخ التراث العربی ج ۱، ص ۲۶۸، طبع الھیئتہ العامتہ للکتاب، قاہرہ، ۱۹۷۸م۔

۴۳۔ کارل بروکلمان، تاریخ الادب العربی، ج ۳ ص ۱۹۶، طبع دارالمعارف، قاہرہ ۔

۴۴۔ عمر رضا کحالہ، معجم المولفین ج ۱، ص ۲۴۴، طبع داراحیاء التراث العربی، بیروت ۔

۴۵۔ الفہرسہ ص ۱۱۷۔

۴۶۔ ابن الاثیر الجزری ابو السعادات، جامع الاصول فی احادیث الرسول، ج ۱، ص ۱۱۶، طبع المحمدیۃ، قاہرہ طبع اول ۱۹۴۹م ۔

۴۷۔ مرقاۃ شرح مشکاۃ ج ۱ ص ۲۳۔

۴۸۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۳، ۹۴۰

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔ طبقات الشافعیتہ الکبری ج ۲ ص ۸۲۔

۵۱۔ مجلتہ السلفیتہ، جامعہ سلفیہ بنارس، شمارہ ۹، شوال ۱۳۹۹ھ ستمبر ۱۹۷۹م۔

۵۲۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن، مقدمہ زہرالربی علی المجتبی ج ۱، ص ۵، طبع دارالفکر بیروت، طبع اول ۱۳۴۸ھ ۱۹۳۰م۔

۵۳۔ المقدسی، محمد بن طاہر ابوالفضل، شروط الائمہ السنہ، ص ۲۱، مطبع عاطف، قاہرہ۔

۵۴۔ ایضاً۔

۵۵۔ مقدمہ زہرالربی علی المجتبیٰ ج ۱ ص ۴۔

۵۶۔ الحازمی، محمد بن موسیٰ ابوبکر، شروط الائمہ الخمسہ ص ۵۷، مطبع عاطف، قاہرہ۔

۵۷۔ یوسف البنوری مولانا، معارف السنن ج ۱ ص ۱۶، طبع ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی۔

۵۸۔ ابن الجوزی، عبدالرحمن بن علی، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج ۶ ص ۱۳۱، طبع دائرہ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، طبع اول ۱۳۵۷ھ۔

۵۹۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن ابوالخیر، فتح المغیث شرح الفیتہ الحدیث ص ۱۲، طبع وکالہ النخلہ بجوار الازھر، قاہرہ، طبع اول ۱۹۳۷ء۔

۶۰۔ ایضاً ص ۳۳۔

۶۱۔ الفہرستہ، ص ۱۱۷۔